آزاد کشمیر کی اردو تحقیق میں شخصیات کا کردار

ڈاکٹر محمد جاوید خان☆
Dr. Muhammad Javaid Khan

ڈاکٹر راحیلہ بی بی☆☆
Dr. Raheela Bibi

Abstract:

In the state of Jammu and Kashmir Srinagar, Jammu, and poonch had been holding a pivotal position in literary perspective. There for the educationally and literary asset of the significant literary persons belong to these big cities. After the division of Kashmir the main centers of Urdu language i.e. Srinagar, Jammu and poonch had been a part of occupied Kashmir, but many of the scholars migrated and came to Pakistan and Azad Kashmir and settled there. After some pause in this mutiny aroused by the division, in Muzaffarabad and Mirpur the writers who had come from occupied Kashmir started literary activities once again. Different literary organizations had been founded. Literary meetings were initiated. Moreover, with the result of arrival of important famous writers in Muzaffarabad and Mirpur, while one had a strong tradition of poetry and prose established, on the other hand o precious work had been done in the field of research and criticism. Though the persons related to Urdu research in azad Kashmir were not related to any special school of thought, but in spite of this, their efforts in literature, history, biography and especially in iqbaliat are considered. Respectably even today. In this article a few important literary persons have been brought under discussion.

آزاد کشمیر میں اردو تنقید کی روایت کو فروغ دینے اور اسے آگے بڑھانے میں بلاشبہ شخصیات کا کردار بڑا اہم رہا ہے۔ ان کی تحقیق کسی ایک پہلو تک محدود نہیں بلکہ اس میں تنوع اور رنگارنگی نظر آتی ہے۔ آزاد کشمیر میں تحقیق و تنقید کی تاریخ میں یوں تو بہت سی علمی و ادبی شخصیات نظر آتی ہیں لیکن اس تاریخ میں جو لوگ نمایاں ہیں ان کا تجزیہ ذیل میں کیا گیا ہے۔

محمود ہاشمی   آزاد کشمیر میں اردو تحقیق و تنقید کے اولین دور میں پہلا نام محمود ہاشمی کا ہے۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی مظفر آباد
☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی مظفر آباد

محمود ہاشمی کا تعلق میر پور سے ہے ان کے متعلق حبیب کیفوی لکھتے ہیں:

''میر پور آزاد کشمیر کے قصبے ڈڈیال کے رہنے والے ہیں۔ پرنس آف ویلز کالج جموں اور پھر پرتاب کالج سری نگر میں اردو کے پروفیسر تھے۔ پاکستان بننے کے ایک سال بعد کشمیر سے پاکستان پہنچے اور آزاد کشمیر میں چیف پبلیسٹی آفیسر مقرر ہوئے۔ جموں و کشمیر کے قیام ہی میں انہوں نے افسانہ نگاری میں نام پیدا کر لیا تھا۔ پاکستان میں ان کے رپور تاژوں کا مجموعہ ''کشمیر اداس ہے'' چھپا ہے۔''(۱)

محمود ہاشمی ایک شاعر، افسانہ نگار، ڈرامہ نویس اور نقاد کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان کی وجہ شہرت ان کا رپور تاژ ''کشمیر اداس ہے'' ہے۔ اس رپور تاژ کی اہمیت کا انداہ درج ذیل آراء سے لگایا جاسکتا ہے۔ اردو ادب کے معروف نقاد ممتاز شیریں کے خیال میں:

''کشمیر اداس ہے کے بارے میں دو جملے لکھتے ہوئے مجھے کوئی جھجھک محسوس نہیں ہوئی کہ ''کشمیر اداس ہے'' اردو کا بہترین رپور تاژ ہے۔ ''کشمیر اداس ہے'' ایک سچا رپور تاژ ہے۔''(۲)

قدرت اللہ شہاب کے مطابق:

''کشمیر کا مسئلہ حل ہو یا لٹکا رہے اس کتاب (کشمیر اداس ہے) کی ادبی اہمیت اور افادیت دونوں صورتوں میں برقرار رہے گی۔''(۳)

اور ڈاکٹر انور سدید نے اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

''محمود ہاشمی کی ادبی شخصیت کے اول الذکر تینوں زاویوں کے علی الرعم ان کی رپور تاژ نگاری ایک ایسا زاویہ ہے جسے سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ ان کی تصنیف ''کشمیر اداس ہے'' ان معدودے چند خوش قسمت کتابوں میں سے ایک ہے جو شائع ہوتے ہی اپنے تخلیق کار کو حیات جاوداں سے سرفراز کر دیتی ہیں اور پھر مصنف کے ذاتی تشخص کا مستقل حوالہ بن جاتی ہیں۔''(۴)

''کشمیر اداس ہے'' کے علاوہ محمود ہاشمی کی ادبی شخصیت کا دوسرا اہم پہلو تنقید ہے۔ ان کے ہاں تنقیدی رجحانات کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب وہ پرتاب سنگھ کالج سری نگر میں اپنے تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔ ڈاکٹر برج پریمی کے مطابق:

"پروفیسر سلطان محمود ہاشمی کا تعلق بھی اسی انجمن (انجمن ترقی پسند مصنفین سرینگر) کے ساتھ تھا۔ پروفیسر محمود ہاشمی اسی ریاست تعلق رکھتے تھے اور مقامی کالج میں پڑھاتے تھے۔ وہ نہ صرف ایک اچھے کہانی کار اور ڈرامہ نگار تھے بلکہ نقد و انتقاد سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ہاشمی صاحب ترقی پسند تحریک سے متاثر تھے اور اسی نقطہ نظر سے ادب کے مسائل پر بحث کرتے تھے۔ امر سنگھ کالج کے میگزین "لالہ رخ" اور دوسرے پرچوں میں انکے مضامین شائع ہوتے تھے۔ "ترقی پسندی کا مفہوم اور امکانات" اور اختر شیرانی، خواجہ احمد عباس اور محمد حسن عسکری پر ان کے مضامین ایک متوازن، سنجیدہ اور سلجھے ہوئے صاحب نظر کے تنقیدی مضامین ہیں۔"(۵)

محمود ہاشمی میں یہ رجحان پیدا کرنے میں علی گڑھ کالج کا بڑا ہاتھ ہے خود محمود ہاشمی اس حوالے سے بیان کرتے ہیں:

"علی گڑھ دورِ تعلیم میں نقاد بننے کی سمائی چنانچہ تنقیدی مضامین "ساقی"، "ادبی دنیا" اور "شاہکار' میں چھپتے رہے اور ایک چھوٹے سے رسالے "کتاب" میں نئی کتابوں پر تبصرہ لکھتا رہا۔"(۶)

تنقید کے سلسلے میں ان کے مضامین کا مجموعہ "یہ شاعر اور وافسانہ نویس" کی صورت میں منظر عام پر آیا ہے جسے الفیصل ناشران نے لاہور سے فروری ۲۰۰۳ء میں شائع کیا اس مجموعے میں چھ مضامین شامل ہیں جن میں سے پانچ ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان لکھے گئے جبکہ ایک مضمون ۱۹۴۷ء کے بعد کا ہے جسے انہوں نے آنے والے دور کی دھندلی سی تصویر" کا نام دیا ہے۔ ان پانچ مضامین میں "جدید شاعری میں پنجاب کا حصہ"، "جدید شاعری اور یو۔ پی والے"، "جدید افسانہ نویسی کا ایک اہم سال"، "محمد حسن عسکری کے جزیرے" اور "حفیظ اور اختر شیرانی" کی شاعری شامل ہیں۔ ان کے علاوہ سہ ماہی مجلہ "ابلاغ"، پشاور ۱۹۹۳ء نے جو محمود ہاشمی نمبر شائع کیا اس میں "خدوخال" کے عنوان سے ان کا تحریری انٹرویو بھی شامل ہے جس سے ان کے تنقیدی رجحان کا اظہار ہوتا ہے۔ موجودہ دور کے ادبی اور عصری مسائل کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

"اگر ادب زندگی کا ترجمان ہے (اور یقیناً ہے) تو اس میں کسی نہ کسی طرح کوئی نہ کوئی مسلہ درپیش ہوتا رہے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ادب میں مسئلہ پیش کرنے کا رجحان وہ صورت اختیار کر سکتا ہے جس کے کچھ نمونے ترقی پسند تحریک کے ابتدائی دور

میں نظر آتے ہیں جن میں ادب کو پروپیگنڈا کا ذریعہ بنانے کی کوشش میں بسا اوقات اس کا نرم و نازک ڈھانچہ مسخ ہوتا معلوم ہوتا ہے۔"(۷)

ادبی گروہ بندی پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گروہ بندیاں ہمارے ادب بلکہ ہمارے معاشرے کا ناسور ہیں لیکن ان کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تنقیدی مضامین اور ادبی جائزے صرف ادیب یا سنجیدہ قارئین پڑھتے ہیں۔ سنجیدہ قاری اپنی پسند و ناپسند کا معیار خود قائم کرتا ہے۔۔۔ جہاں تک ایک عام آدمی کا تعلق ہے وہ تنقیدی مضامین پڑھتا ہی نہیں۔ ادب کی یہ صنف اسے خشک اور غیر دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔ اپنے آپ میں مگن ہے اور گروہ بندی سے عام طور پر محفوظ ہے۔"(۸)

محمد حسن عسکری نے اپنے افسانوں میں نہ صرف جنس کا اظہار بیان کھلے الفاظ میں کیا بلکہ انہوں نے افسانے کو نئی تکنیک سے بھی متعارف کروایا چنانچہ اردو تنقید میں انہیں "محمد حسن عسکری دبستان" سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ محمود ہاشمی نے بھی "محمد حسن عسکری کے جزیرے" میں ان کی افسانہ نگاری کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ ادب کی موجودہ صورتحال بھی محمود ہاشمی سے اوجھل نہیں:

"ادب کا معیار گرا نہیں البتہ زبان کا معیار ضرور گر رہا ہے۔۔۔ ادیبوں نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ اس تیزی سے لکھ رہے ہیں کہ انہیں غالباً اپنا لکھا ہوا پڑھنے کی فرصت بھی نہیں ملتی۔"(۹)

ڈاکٹر افتخار مغل محمود ہاشمی کی تنقید کے بارے میں لکھتے ہیں:

"محمود ہاشمی سات سمندر پار ہونے کے باوجود اردو ادب کی عہد بہ عہد تبدیلیوں، نئے رجحانات اور نظریات سے آگاہ ہیں اور بالخصوص افسانوی ادب کے حوالے سے اچھا تنقیدی وژن رکھتے ہیں۔"(۱۰)

محمود ہاشمی نے برطانیہ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد بھی اردو سے ناطہ نہیں توڑا۔ برطانیہ میں بھی انہوں نے "اردو کیسے پڑھائی جاتی ہے" لکھی۔ یہ نو کتابوں پر مشتمل سیٹ ہے جن میں سے چھ پاکستانی بچوں کے لیے اور تین رہنمائے اساتذہ کے حوالے سے لکھی ہیں۔ علاوہ دیگر کتابوں کے ان کی ایک کتاب "برطانیہ میں ہمارا نیا گھر" ہے یہ کتاب دیباچوں اور کتابوں پر لکھے گئے تبصروں پر مشتمل ہے جو برطانیہ میں انہوں نے مختلف تقاریب میں پڑھے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی:

آزاد کشمیر کی تحقیق و تنقید کی روایت میں ڈاکٹر صابر آفاقی کو اہم مقام حاصل ہے۔ایک شاعر، نثر نگار، محقق اور نقاد کی حیثیت سے نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ بیرونِ ممالک کی اردو دنیا میں جانے جاتے ہیں۔ اردو، انگریزی، فارسی اور گوجری زبانوں پر عبور ہونے کے باعث آپکی مطبوعہ کتب کی تعداد تیس سے زائد ہے۔ان کے علاوہ دنیا کے مختلف علمی وادبی جرائد میں آپ کے تنقیدی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

تحقیق کے میدان میں ان کا اہم کام راج ترنگنی کا فارسی ترجمہ ہے۔ڈاکٹر صابر آفاقی نے راج ترنگنی کے مختلف فارسی تراجم اکٹھے کرنے کے بعد مستند متن تیار کیا ہے جسے ۱۹۷۴ء میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کی طرف راولپنڈی سے شائع ہوا۔ ان کی دیگر تحقیقی و تنقیدی کتب میں "اقبال اور کشمیر"، "برما میں اردو"، "رشحات ابر"،"جلوۂ کشمیر"،"عکس کشمیر"،"خاتونِ عجم"، "تاریخ کشمیر اسلامی عہد میں"اور "اقبال اور امر لہائی" شامل ہیں۔ڈاکٹر صابر آفاقی کی کتب کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ "کشمیر"اور "اقبال" ان کی تحقیق اور تنقید کے بنیادی محور و مرکز ہیں۔اقبال نے ڈاکٹر صابر کی دلچسپی کی وجوہات ڈاکٹر افتخار مغل یوں بتاتے ہیں:

> "ڈاکٹر صابر آفاقی کی علامہ محمد اقبال میں دلچسپی کی تین وجوہات ہیں۔ اول: ڈاکٹر صاحب محض محقق، نقاد اور ادبیات کے عالم ہی نہیں خود ایک شاعر بھی ہیں چنانچہ تنقید و تحقیق کے عمل میں اعلیٰ شاعری ان کی دلچسپی کا مرکز بنتی ہے۔ دوم: اقبال کے کشمیری اور ارتقا پسند ہونے کے بنا پر۔ سوم: اقبال کے فارسی میڈیم کی بنا پر کیونکہ ڈاکٹر صاحب فارسی ادبیات کے عالم اور فارسی کے شاعر ہیں۔"(۱۱)

اقبال کے بعد ڈاکٹر صابر آفاقی کی تحقیق اور تنقید کا دوسرا بڑا موضوع ایران کی فارسی شاعرہ قراۃالعین طاہرہ ہے۔ قرۃالعین کے حوالے سے ان کے خیالات تین تصانیف پر مشتمل ہیں:

۱۔ خاتون عجم مولفہ ڈاکٹر صابر آفاقی مطبوعہ مقبول اکیڈیمی لاہور ۱۹۹۵ء

۲۔ قرۃ العین طاہرہ نظر ثانی ڈاکٹر صابر آفاقی / مترجم شمشیر علی مطبوعہ ماہنامہ سپوتنگ لاہور، جلد ۹، شمارہ ۸، اگست ۱۹۹۸ء

۳۔ قرۃ العین طاہرہ مصنف مارتھاروٹ/مترجم علی عباس بٹ، دیباچہ ڈاکٹر صابر آفاقی مطبوعہ لہبائی پبلشنگ ٹرسٹ (س۔ن)

علاوہ ازیں ڈاکٹر صابر آفاقی کی دلچسپی کا موضوع غالب بھی ہے۔ انہوں نے غالب کے فارسی قصائد کا اردو ترجمہ "نقش ہائے رنگ رنگ" کے نام سے کیا جسے انجمن ترقی اردو پاکستان نے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔ دیباچے میں ڈاکٹر صابر آفاقی غالب کے قصائد کے بارے میں لکھتے ہیں:

"غالب کثیر المطالعہ آدمی تھے اور انہوں ایران اور خراسان کے مشاہیر شعراء کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے قصائد میں قدیم قصیدہ سراؤں کا نام لیا ہے اور ان پر اپنی برتری جتلائی ہے۔ وہ ہمیں عرفی، شیرازی جیسے اہم شاعر پر چوٹ بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان قصائد کی اہمیت اس لحاظ سے مسلم ہے کہ ان کا مطالعہ مغلوں کی آخری دور کی دم توڑتی ہوئی تہذیب کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتا ہے اور اس نظر سے بھی کہ غالب نے ان میں مناظر فطرت، حکمت و فلسفہ اور اخلاقیات کے ایسے مرقعے پیش کر دیئے ہیں جن کی مثال دیگر شعرا کے ہاں کم ہی ملے گی۔ غالب کے قصیدے میں ہمیں خاقانی کی منظر کشی، ناصر خسرو کا فلسفہ اور سعدی کی اخلاقیات یک جان مل جاتی ہیں۔ یہ خصوصیات غالب کو صف اول کے فارسی شعرا میں لا بٹھاتی ہیں۔"(۱۲)

اسی طرح افکار غالب کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

" غالب کی علمی سطح پر نہ صحیح عقیدتی لحاظ سے راسخ العقیدہ مسلمان اور آئمہ طاہرین کے سچے عاشق تھے۔ ان کے افکار پر ایک روحانی فضا چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا نے لغت و منقبت میں زبان و بیان کا کمال دکھایا ہے اور سچے مومنانہ افکار کو بڑی محبت سے پیش کیا ہے ۔ جن کے پیش نظر میں غالب کو "بادہ خوار" ہونے کے باوجود ایک "ولی" سمجھتا ہوں۔ ان کے ولی کامل ہونے کا یہی ثبوت کیا کم ہے کہ انہوں نے اس دور کی ایک جھلک اپنے آئینہ خیال میں مشاہدہ کر لی تھی جس میں آج ہم سانس لے رہے ہیں۔"(۱۳)

ڈاکٹر صابر آفاقی کی تنقیدی کتب مضامین اور فلیپس کے جائزے سے ان کی تنقید کے دو پہلو سامنے آتے ہیں یعنی

i۔ تنقیدی تصانیف

ii۔ فن اور شخصیات پر مضامین

فن اور شخصیات پر مضامین میں انہوں نے ساٹھ سے زائد مختلف شخصیات کے فن پر قلم اٹھایا ہے۔ ان نمایاں شخصیات میں احمد ندیم قاسمی، احسان دانش، مولانا رومی، غنی کاشمیری، چراغ حسن حسرت، میاں محمد بخش، ابرار حسنی گنوری، ناز مظفر آبادی، محمد خان نشتر، معین نجمی، محسن احسان اور افتخار مغل شامل ہیں۔ اس طرح کے تنقیدی مضامین میں ڈاکٹر صابر آفاقی کا رویہ عمومی طور پر روادارانہ نظر آتا ہے مثلاً اپنے ایک مضمون "شاعر زندگی"میں معین نجمی کی شاعری کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> "معین نجمی شہر حیات میں کسی بندگی کے وجود سے انکار کر رہا ہے۔ اس کا نظریہ ہے کہ ہر موڑ سے آگے راستہ نکلتا ہے۔ ہر منزل سے نیا قافلہ رواں ہوتا ہے۔ ہر شام کے بعد صبح ہوتی ہے ہر تہذیب کے بعد نئی تہذیب کا آغاز ہوتا ہے نہ کائنات کا کوئی نقطہ آخر نہ ہی انسان کے سفر کا کوئی آخری مرحلہ۔"(۱۴)

ڈاکٹر صابر آفاقی کی مجموعی تنقیدی رویے کے بارے میں ڈاکٹر افتخار مغل کہتے ہیں:

> "ڈاکٹر صاحب تنقید کے عمل میں مذہبی صداقتوں اور روحانی تجربوں کو برابر پیش نظر رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صابر آفاقی تنقید میں کسی مخصوص دبستان کی پیروی نہیں کرتے ان کا نقطہ نظر بیشتر وسیع روادارانہ اور غیر معتصابہ ہے۔"(۱۵)

ڈاکٹر صابر آفاقی کا تنقیدی اسلوب سائنسی کے بجائے کلاسیکی ہے کہیں کہیں زبان بہت زیادہ رومانوی ہے اس میں ادبی جمالیات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ڈاکٹر غلام حسین اظہر

آزاد کشمیر میں تحقیق و تنقید کی روایت کو آگے بڑھانے میں ڈاکٹر غلام حسین اظہر کا اہم کردار ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین اظہر بھمبر کے رہنے والے تھے اور اپنی زندگی میں شعبہ تعلیم سے منسلک رہے۔ آزاد کشمیر کی ادبی تاریخ میں ڈاکٹر غلام حسین اظہر کو ایک محقق، نقاد، شاعر اور افسانہ نگار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ ان کی تحقیقی اور تنقیدی تصانیف اور تالیفات میں "اردو افسانے کا نفسیاتی مطالعہ "مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی اردو، "میاں محمد بخش شخصیت اور فن"، "چوہدری غلام عباس شخصیت اور کارنامے"، "سوانح بطل حریت راجہ محمد اکبر خان"، "کشمیر میں جدوجہد آزادی"،

"یگانہ کشمیر" (سوانح بابائے پونچھ کرنل خان محمد خان)، اور "گوجری پہاڑی لوک گیت" (تنقیدی جائزہ) شامل ہیں۔

علاوہ ازیں مختلف تحقیقی مضامین مثلاً "اردو ڈرامہ پاکستان میں" (مشمولہ نیرنگ خیال سالنامہ ۱۹۸۱ء) "اردو نظم پاکستان میں" (مطبوعہ اوراق لاہور جولائی، اگست ۱۹۷۷ء)، "سلیم رفیقی" (مطبوعہ مجلہ پتن ۱۹۸۹ء)، "آزاد کشمیر میں آثار قدیمہ" (مطبوعہ مجلہ پتن ۱۹۸۹ء) اور ان جیسے کئی ایک مضامین پاکستان اور آزاد کشمیر کے مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

تحقیق میں ڈاکٹر غلام حسین اظہر کا محبوب موضوع "اقبال" رہا ہے۔ "اقبال کے احسانات" (مطبوعہ فنون مجلہ ۱۱۵ لاہور)، "میاں محمد اور اقبال" مشمولہ میاں محمد ـــــ ایک مطالعہ کشمیر اکیڈیمی مظفر آباد اس کا عکاس ہیں۔ ڈاکٹر غلام حسین اظہر کے اس پہلو کے بارے میں پروفیسر افتخار مغل بیان کرتے ہیں:

> "میاں محمد ـــــ ایک مطالعہ" کے لیے اپنے مضمون "میاں محمد اور اقبال" میں ڈاکٹر غلام حسین اظہر نے دو الگ الگ زبانوں کے ان دو عظیم کشمیری شاعروں کے افکار کو بڑی خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ یکجا کر دیا ہے اور خطہ کشمیر کے ان دو عظیم نابغوں کی فکری اور فنی مماثلت کو ان کے مشترکہ تہذیبی پس منظر میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔"(۱۶)

ڈاکٹر غلام حسین اظہر نے اپنے اس مضمون میں جہد مسلسل، عزیمت و استقامت، درد مندی و دل سوزی، مساوات انسانی اور عقل و عشق جیسے پہلوؤں کو اقبال اور میاں محمد بخش دونوں کے ہاں مشترکہ عناصر کو موجود پایا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> "میاں محمد اور اقبال دونوں نے اخوت و مساوات، جد وجہد اور اعلیٰ مقاصد کی خاطر جینے کی تلقین کر کے مسلمانوں کو نئے عہد کی ذمہ داری نبھانے کے لیے تیار کیا۔ میاں محمد کی فکری عظمت اس امر میں پنہاں ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال سے کئی برس پہلے خودداری کا پیغام دیا۔ اسی پیغام کو اقبال نے ایک مربوط درد مندی اور دل سوزی سے سمویا۔ دونوں کی دانست میں درد مندی اور دل سوزی ہی اعلیٰ شاعری کی اصل پہچان ہے۔"(۱۷)

علاوہ ازیں ڈاکٹر غلام حسین اظہر کی تنقید زیادہ تر مختلف کتابوں کے مقدموں، تعارف اور کتب رونمائی کی تقاریب پر پیش کیے گئے مقالات کی صورت میں ہے۔ چنانچہ اس میں مداحانہ صورت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مثلاً نذیر انجم کے حوالے سے اپنے ایک مضمون ”دکھی انسانیت کے ضمیر“ میں لکھتے ہیں:

> ”انقلاب سے گہری وابستگی کے ساتھ ساتھ نذیر انجم کے یہاں حسن و عشق کی وارداتیں بھی موجود ہیں۔ اس نے محبت کی کیفیات کو غزل اور نظم دونوں اصناف میں پوری کامیابی سے سمویا ہے۔ لیکن اس نے جنون دل کے کسی گل پیرہن تک محدود نہیں رکھا بلکہ قد و گیسو کے علاوہ دار و سن سے بھی رشتہ خاطر پیدا کیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی شاعری دو آتشہ ہے جس میں رومان و انقلاب کی چاشنی بیک وقت ملتی ہے۔“(۱۸)

محمد اکرم طاہر نے کسی تحریک کا حلقہ بگوش بن کر کسی نظریہ یا تحریک کی ترویج کو مطمح نظر ٹھہرانے کے بجائے اپنے دل کی کائنات کو اپنا رفیق و ہمسفر بنایا ہے۔ اس وجہ سے محمد اکرم کی شاعری اس کے دل کی آواز ہے محمد اکرم طاہر نے ”فسانہ شب غم“، حضور یار سے کہا ہے کسی مشتعل ہجوم کے سامنے نہیں کہا۔ لیکن اس کے معانی یہ بھی نہیں کہ محمد اکرم طاہر کی شاعری محض ذاتی انا کی تسکین کا سہارا یا انا کی صدا ہے۔

محمد اکرم طاہر

پروفیسر محمد اکرم طاہر کی جائے پیدائش اگرچہ گورداسپور ہے لیکن ہجرت کے بعد آزاد کشمیر میں محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ میر پور میں مستقل سکونت اختیار کر رکھی ہے۔ آزاد کشمیر کے علمی و ادبی حلقوں میں ان کی حیثیت ایک شاعر اور نقاد کی ہے۔

پروفیسر محمد اکرم طاہر کی تنقید مجموعی طور پر مختلف کتابوں کے مقدموں اور دیباچوں کے علاوہ مختلف ادبی تقاریب میں پڑھے گئے ادبی اور تنقیدی مضامین پر پھیلی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر افتخار مغل کے مطابق:

> ”پروفیسر محمد اکرم طاہر کے تنقیدی مضامین ادب اور تنقید کی پوری روایت اور جدید تنقید کی عصری حیثیت کا بالخصوص پاکستانی اردو ادب کے تناظر کو سامنے لاتی ہے۔

پروفیسر محمد اکرم طاہر تنقید کے ادب پارے کے خالق کے ذاتی رویوں کو بھی برابر پیش نظر رکھتے ہیں۔"(۱۹)

چنانچہ سہ ماہی "ابلاغ" پشاور اکتوبر ۱۹۹۸ء میں لکھے گئے مضمون "مشتاق شاد کی غزل" میں انہوں نے نہ صرف شاعر کی سراپا نگاری کا تجزیہ کیا ہے بلکہ شاعر کی غزل کے فنی پہلوؤں پر بہت ہی جامع تبصرہ کیا ہے۔ اس طرح کہ مضمون اردو غزل پر ان کی دسترس کا اظہار بن جاتا ہے۔ پروفیسر محمد اکرم طاہر مشتاق شاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

"۔۔۔ان طالب علموں میں ایک جونیئر طالب علم ایسا تھا جو تین ماہ کے لیے آیا اور اپنی دھن میں غزل خواں گزر گیا۔ کشادہ پیشانی، بڑی آنکھیں جن میں سے ذہانت پھوٹتی تھی۔ گھنی بھویں اور ستواں ناک ___ یہ نوجوان تھا مشتاق شاد۔"(۲۰)

مشتاق شاد کی غزل کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ہم نے مشتاق شاد کی غزل کا بغور مطالعہ کیا ہے تاکہ اس کی روح میں اتر سکیں۔ وہ غزل بڑے جتن سے کہتے ہیں۔ فنی لحاظ سے ان کی غزل قادرالکلامی پر دلال ہے۔ وہ لفظ کی حرمت کے پاسدار ہیں۔ لفظ پر ان کی گرفت اور لفظ سے ان کا برتاوا ایسا ہے جیسے کوئی مشاق باولر بال سے کھیلتا ہے۔ وہ طویل ردیفوں کے استعمال سے اپنی غزل کو ترنم اور مرصع کرتے ہیں۔ ان کی غزل کا اسلوب اور ڈکشن اپنے بیشتر ہم عصر غزل گویوں سے مختلف بلکہ "وکھری ٹائپ" کا ہے وہ اپنے مافی الضمیر کے اظہار میں بےباک (Blunt) اور بلند آہنگ ہے اس پیرایۂ اظہار کو ہم روایت اور جدت کے درمیان شعر مسلسل کہہ سکتے ہیں۔"(۲۱)

اسی طرح فیض احمد فیض کی برسی کے سلسلے میں ادبی و ثقافتی ادارے "تعبیر" کے زیر اہتمام مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۹۳ء کو "سفر محبت ___ فیض احمد فیض" کے عنوان سے مضمون بڑھا۔ اس میں فیض کی شاعری اور شخصیت کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے کا ایک منفرد اسلوب اختیار کیا ہے:

"ہم نے فیض کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ہمارے زمانہ طالب علمی میں وہ گونمنٹ کالج لاہور کے نیو ہاسٹل میں اپنے استاد صوفی تبسم کے پاس آتے جاتے تھے۔ یہ استاد شاگرد بہترین دوست بھی تھے۔ ہم نے شاگرد فیض کو اپنے استاد کے روبرو ہمیشہ مؤدب پایا۔ فیض کم گو اور کم آمیز تھے لیکن ان میں انسانیت بدرجہ اتم بیدار اور ایک سکالر کا انکسار موجود تھا۔"(۲۲)

ڈاکٹر افتخار مغل

ڈاکٹر افتخار مغل کا تعلق مظفر آباد سے ہے۔ بنیادی طور پر شعبہ تدریس سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اہم انتظامی عہدوں پر بھی فائز رہے ہیں۔ آزاد کشمیر کی ادبی تاریخ میں ان کا مقام و مرتبہ ایک شاعر، کالم نگار، نقاد اور محقق کا ہے۔ "آزاد کشمیر میں اردو شاعری" اور "آزاد کشمیر میں اردو کا نثری ادب" ان کے بالترتیب ایم۔ فل اور پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے ہیں لیکن یہاں بھی ان کا زاویہ نگاہ تنقیدی ہے۔

ڈاکٹر افتخار مغل کی تنقید کا دائرہ صرف معاصر ادب کے جائزوں، کتب کے دیباچوں، مقدموں اور شخصیات پر مضامین کی صورت میں ہی موجود نہیں بلکہ یہ مختلف رجحانات رویوں اور تحاریک تک پھیلا ہوا ہے۔ اردو ادب اور معاصر ادب پر ان کے تنقیدی مضامین کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہے جو پاکستان و آزاد کشمیر کے موقر و مقتدر ادبی جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اپنے ایک مضمون "نثری نظم حاصل مطالعہ" میں لکھتے ہیں۔

> "علمی، ادبی اور تنقیدی مباحث میں اس قسم کے Sweeping Opinion اور ایسے Dogmatism سے مکالمے کا عمل مجروح ہوتا ہے اور نقطہ نظر Convey چاہے ہو جائے "کشمیری کیٹ" نہیں ہوتا۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ نثری نظم کے بانی ہونے کا سہرا احمد ہمیش، گریش چندر یا مبارک احمد میں سے کس کے سر باندھا جائے کیوں کہ (جیسا کہ ڈاکٹر احمد سہیل نے لکھا ہے) کسی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اتنی نثری نظمیں نہیں لکھی گئیں جتنے اس کے بانی پیدا ہو گئے ہیں۔ اس بات سے بھی بحث نہیں کہ اس کا عرصہ پیدائش اس صدی کی تیسری دہائی سے ہے یا چھٹی دہائی۔۔۔ ینگ کے نظریہ اجتماعی لاشعور کی نسبت سے غزل کے ساتھ ہمارے جذباتی لگاؤ کی بات کر کے ستیہ پال آنند نے غزل کو جس طوق مندی کا سمبل کہا ہے اس سے نثری نظم نجات نہیں دلا سکتی۔ کیونکہ مشرق کی زندہ و پائندہ زبانوں (اردو اور فارسی) کی شعریات کی پہچان ہی غزل ہے۔ جیسا کہ دنیا کی ہر زندہ زبان میں کوئی ایک بنیادی (اور امتیازی) شعری صنف ہوتی ہے۔ غزل کے "سپوکن برانڈ۔ پوئٹری" ہونے سے بھی اردو شعریات کو نقصان نہیں ہوا الٹا فائدہ ہی ہوا ہے۔"(۲۳)

صائمہ اسماء کی افسانہ نگاری کا جائزہ لیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

''صائمہ اسماء کا افسانہ، افسانہ نگاری کی کسی نئی جہت کو سامنے نہیں لایا لیکن طبقاتی شعور کے ساتھ لکھی ہوئی کہانیوں کے ایک ایسے پہلو کو سامنے لایا ہے جو موضوع کی ساری ہیبت اور مضمون کے سارے کرائسس کے باوجود روح کے ذائقے کو تلخ نہیں ہونے دیتا کہانی نگار نے معاشرے کی دوبڑی عصبتوں کو اس کے ہنر کے ساتھ ''پورٹریٹ'' کیا ہے کہ دونوں کے شیڈز علیحدہ علیحدہ بھی دکھائی دیتے ہیں اور ایک کلی تناظر میں بھی۔''(۲۴)

ڈاکٹر افتخار مغل نے مختلف اخبارات میں ''رانگ نمبر'' کے نام سے کالم بھی لکھے ہیں۔ان کالموں میں انہوں نے ایک طرف تو حالت حاضرہ کو موضوع بحث بنایا ہے تو ساتھ ساتھ جدید شعراء کے کلام کا بھی ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔یہ سلسلہ اب بھی چلتا ہے۔

سیّد محمود آزاد

سرزمین باغ سے تعلق رکھنے والے سیّد محمود آزاد آزاد کشمیر کی تاریخی اور سوانحی تحقیق میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔تاریخی تحقیق میں آپ کی سب سے اہم کاوش ''تاریخ کشمیر'' ہے جو چھ جلدوں پر پھیلی ہوئی ہے۔کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ کو مرتب کرنے میں انہیں تقریباً چھ سال کا عرصہ لگا۔اس کے مواد کے حصول کے لیے انہیں بے سروسامانی کے عالم میں ہندوستان کا سفر بھی اختیار کرنا پڑا۔اس سفر کے دوران انہوں نے دہلی، ممبئی، کلکتہ اور دکن کی بڑی لائبریریوں کو بھی کھنگالا۔اس دوران آپ کو خاصی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔سید محمود آزاد بیان کرتے ہیں:

''اس کتاب کی تدوین و تالیف سے پہلے میں نے اس طرف توجہ دی کہ سب سے پہلے کشمیر میں لکھی گئی کتابوں کا پوری توجہ سے مطالعہ کیا جائے۔ چنانچہ میں نے متواتر دو سال تک پنجاب یونیورسٹی لائبریری، پنجاب پبلک لائبریری سے وہ تمام کتابیں جو کشمیر کی تاریخ، جغرافیائی اور کشمیریوں کی تمدنی زندگی سے متعلقہ تھیں پڑھیں اور دوسرے مرحلے پر ان کتب میں سے جو اس لائق تھیں حوالہ جات لینا شروع کیے اور اس طرح ۱۹۶۲ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک میں نے تاریخ کشمیر کا مسودہ مکمل کیا۔اس دوران بے شمار تکالیف کا بھی سامنا ہوتا رہا۔''(۲۵)

تاریخ میں آپ کی دوسری تصنیف تاریخ پونچھ ہے۔ اس کتاب میں آپ نے پونچھ کی تاریخ کے ساتھ ساتھ ضلع پونچھ کے معروف قبائل کے تاریخی حالات و واقعات بھی لکھے۔ یوں اس کتاب کی حیثیت دہری ہو جاتی ہے یعنی پونچھ کی تاریخ اور پونچھ کے مختلف قبائل کی تاریخی حیثیت۔ تاریخ کے حوالے سے آپ کی غیر مطبوعہ تصنیف "تاریخ سادات گردیزیہ پونچھ" ہے۔ اس کتاب میں آپ نے پونچھ سادات کی آمد اور مختلف مقامات پر سکونت اور اہم شخصیات کے بارے میں لکھا ہے۔

آپ کی تحقیق کا دوسرا اہم پہلو سوانح نگاری ہے۔ سوانح نگاری میں آپ نے زیادہ تر صوفیائے کشمیر کو موضوع بنایا ہے۔ صوفیائے کشمیر کے علاوہ بعض سیاسی شخصیات مثلاً چوہدری غلام عباس، سردار محمد ابراہیم خان اور سردار فتح محمد خان کی سوانح حیات بھی مرتب کی ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے برصغیر کی دو ممتاز علمی شخصیات مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شبلی نعمانی کے حالات و واقعات بھی لکھے ہیں لیکن یہ مختصر کتابچوں کی صورت میں ہیں۔ ان کی سوانح نگاری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ آزاد کشمیر میں سب سے زیادہ سوانح لکھنے والے واحد شخص ہیں۔

ڈاکٹر محمد صغیر خان

سرزمین پونچھ (راولاکوٹ) سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر محمد صغیر خان آزاد کشمیر میں شعبہ تدریس سے منسلک ہیں۔ آزاد کشمیر کی تحقیقی و تنقیدی روایت میں ان کا شمار نسبتاً نئے لکھن والوں میں ہوتا ہے۔ خطہ میں دیگر شخصیات کی طرح ان کا بھی زیادہ تر تحقیقی سرمایہ بعض مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب کے علاوہ مضامین کی صورت میں پھیلا ہوا ہے جو پاکستان اور آزاد کشمیر کے مختلف جرائد میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان جرائد میں نوازش(لاہور)، لوح ادب (حیدرآباد)، تخلیق (لاہور)، پہچان(میرپور خاص)، الحمرا(لاہور)، آفاق(لاہور)، تہذیب (مظفرآباد)، پربت (باغ)، اخبار اردو(اسلام آباد)، جہاں نما(کراچی)، چٹکا (برطانیہ)، ماہ نو(لاہور)، ادب لطیف (لاہور)، صحیفہ (لاہور)، شیرازہ (سری نگر) اور ادبیات(اسلام آبا)د قابل ذکر ہیں۔ ادبی جرائد میں لکھے جانے والے ان مضامین کا تعلق اردواصناف نظم و نثر، پہاڑی ادب اور مختلف شخصیات سے ہے ان شخصیات میں پروفیسر عبدالعلیم صدیقی، پروفیسر محمود ہاشمی، سیّد بشیر حسین جعفری، سیّد ضمیر جعفری، شیخ ایاز، ڈاکٹر صابر آفاقی، پروفیسر شفیق راجہ، قاسم پیرزادہ اوراحمد ندیم قاسمی جیسے اہلِ قلم شامل ہیں۔

ڈاکٹر محمد صغیر خان نے مختلف ادبی جرائد میں جو مضامین لکھے ان میں "قرۃ العین حیدر اور کشمیر"، "پہاڑی زبان وادب اور قدیم و جدید طرز احساس"، "ابن انشاء کی غزل"، "اردو ادب میں طنزیہ اور مزاحیہ شاعری"، "یادوں کی بارات اور خاکہ نگاری"، "اردو ادب میں خاکہ نگاری"، "کہکشاں ملک کی افسانہ نگاری"، "پیکر علم و حلم (عبدالعلیم صدیقی)"، "بات کتاب اور ملاقات (محمود ہاشمی)"، "اشفاق احمد کے چند ابتدائی افسانے"، "شیخ ایاز انسانی احساس سے ہم آہنگ تخلیق کار" اور "سید ضمیر جعفری کی سنجیدہ شاعری کا ایک پہلو" نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر محمد صغیر خان کی آزاد کشمیر کی تحقیقی روایت میں ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اردو زبان و ادب کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ خطہ پونچھ کی تحقیقی روایت کو بھی آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کی تین تصانیف "پونچھ کی تہذیب وثقافت"، "پہاڑی زبان و ادب" اور "پہاڑی لوک گیت" منظر عام پر آچکی ہیں۔ علاوہ ازیں پونچھ میں اردو زبان و ادب کے حوالے سے ان کی تحقیق "پونچھ میں اردو" طباعت کے مرحل میں ہے۔

ڈاکٹر محمد صغیر خان کی تحریر کا اہم موضوع کشمیر اور کشمیر کی آزادی ہے۔ چنانچہ سندھی زبان کے شاعر وادیب شیخ ایاز پر ان کا مضمون ہو یا اردو ادب کی معروف ناول نگار قراۃ العین حیدر کے بارے میں لکھ رہے ہوں کشمیر ان کے دل و نظر سے اوجھل نہیں ہوتا اور اس کی آزادی اور تہذیب و ثقافت کو نمایاں رکھنا ان کی بنیادی خواہش نظر آتی ہے۔ چنانچہ "قراۃ العین حیدر اور کشمیر" میں وہ لکھتے ہیں:

> "قرۃ العین حیدر اردو کی مشہور ناول نگار اور لکھاری ہیں جو سنجیدہ ادبی شعور اور سماجی اور تاریخ حالات کا گہرا ادراک رکھتی ہیں۔ وہ ایک حساس اور تجزیہ کرنے والی نظر رکھتی ہیں۔ جہاں ان کی دیگر مشہور تخلیقات صدیوں پر محیط تاریخ و تہذیب کے حوالے سے ریفرنس کا درجہ رکھتی ہیں وہاں کشمیر کے اپنے مختصر سے سفر کے بیان میں یہاں کے سیاسی و سماجی حالات کا بھرپور تجزیہ کیا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد، مذہبی رواداری، عشق محمدی، اہل کشمیر کے صاف کردار کی خاصییتں، ان کے سیاسی شعور کی پختگی، ظالم حکمرانوں کے جبر اور تہذیبی و عمومی حالات کی تصویر اس رپوتاژ نما سفر نامے کے صفحات پر بکھری ہوئی ہے۔"(۲۶)

ڈاکٹر محمد صغیر خان کی تحقیق و تنقید کا ایک اور بڑا موضوع پہاڑی زبان وادب کو نمایاں کرنا اور اسے فروغ دینا ہے۔ اس لیے ان کے اکثر و بیشتر مضامین پہاڑی زبان وادب کے حوالے سے

ہوتے ہیں یہی نہیں بلکہ وہ اردو زبان میں بھی مضمون لکھتے وقت پہاڑی الفاظ کا بر محل استعمال کرتے ہیں۔ پہاڑی زبان کے یہ الفاظ ان کی تحریر کو اور زیادہ شگفتہ اور دلچسپ بناتے ہیں پہاڑی زبان کی وسعت و جامعیت کے بارے میں وہ بیان کرتے ہیں:

> ''پہاڑی زبان محض بول چال کی حد تک برتی جانے والی بولی نہیں بلکہ ایک بھر پور تخلیقی زبان ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں لوک ادب کا ذخیرہ وافر بھی ہے اور بھر پور بھی۔''(۲۷)

ڈاکٹر محمد صغیر خان روزنامہ ''نوائے وقت''،روزنامہ ''جنگ'' اور روزنامہ ''اوصاف'' کے ادبی صفحات میں لکھنے کے علاوہ روزنامہ ''جموں و کشمیر'' میں ''آوازہ'' کے نام سے مستقل کالم بھی لکھتے ہیں۔ان کالموں میں حالات حاضرہ کے موضوعات کے علاوہ ادبی تقاریب، کتب کی تعارفی تقریبات اور ادبی شخصیات بھی ان کا موضوع بنتی ہیں۔

ڈاکٹر شفیق انجم

ڈاکٹر شفیق انجم کا شمار نوجوان اہل قلم میں ہوتا ہے۔اوائل عمری میں ہی ایک افسانوی مجموعے اور ایک ناول کے علاوہ ان کی تین کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ان کتابوں میں ''جائزے''، ''اردو افسانہ (بیسویں صدی کی تحریکوں کی روشنی میں)'' اور ''ڈاکٹر رشید امجد : شخصیت اور فن'' شامل ہیں۔ جبکہ مرتب و تدوین شدہ کتابوں میں ''کلام بشیر صرفی''، ''رشید امجد ایک مطالعہ''، ''ڈاکٹر گوہر نوشاہی___ایک مطالعہ'' اور ''کلام طارق'' شامل ہیں۔

آزاد کشمیر کے دیگر محققین اور ناقدین کے برعکس ڈاکٹر شفیق انجم نے اپنی تحقیق و تنقید کا مرکز اردو ادب کو بنایا ہے۔اس کا اندازہ ان مضامین سے لگایا جا سکتا ہے جو مختلف جرائد و رسائل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان قابل ذکر مضامین میں ''مولوی کریم الدین کی ایک نایاب تصنیف انشائے اردو''، ''ایک فراموش کردہ شاعر''، ''ایک جدید نظم نگار''، ''رشید امجد___عام آدمی صورت گر''، ''اردو افسانہ پر جدیدیت کے اثرات''، ''خالد فتح محمد کی افسانہ نگاری''، ''اردو افسانہ پر حلقہ ارباب ذوق کے اثرات''، ''قرۃ العین حیدر کی افسانہ نگاری___چند زاویے''، ''اردو افسانہ میں جنس نگاری'' اور ''احمد جاوید کی افسانہ نگاری'' شامل ہیں۔

ڈاکٹر شفیق انجم کے مضامین جن موقر جرائد میں شامل ہوتے رہے ہیں ان میں ''تخلیقی ادب (نمل اسلام آباد)''، ''دریافت (نمل اسلام آباد)''، ''الماس (خیر پور یونیورسٹی سندھ)''،

"قومی زبان کراچی)"، "کاغذی پیرہن (لاہور)"، "روشنائی (کراچی)"، "تخلیق (کراچی)"، "سمبل(راولپنڈی)"، "انگارے(ملتان)"، "ادب دوست(لاہور)" اور "قرطاس(لاہور)" قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر شفیق انجم نے اردو تحقیق و تنقید دونوں میں کام کیا ہے۔ اردو تحقیق میں انہوں نے کلاسیکی ادب کے بعض چھپے ہوئے گوشوں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ جیسے "غلام محی الدین میر پوری __ ایک تحقیقی"، "سب رس __ قیاس، مفروضے اور حقائق"، "گلزار فقر __ تدوین متن ولسانی جائزہ"، "غزلیات غالب بااعتبار قوافی" اور "قیس کا دیوان ریختی" وغیرہ۔

اردو تنقید میں ان کا اہم موضوع افسانہ نگاری ہے۔ چنانچہ اپنی تنقید میں ڈاکٹر شفیق انجم نے اردو کے ممتاز افسانہ نگاروں کی تخلیقات، رجحانات، مضامین اور اسلوب کا جائزہ لیا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف ادبی تحریکوں نے اردو افسانے پر جو اثرات مرتب کیے وہ بھی ان کی تنقید کا بڑا موضوع ہے۔

ڈاکٹر شفیق انجم کی ایک انفرادیت یہ ہے کہ انہیں اردو کے ممتاز افسانہ نگار اور نقاد ڈاکٹر رشید امجد کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس لیے ان سے بجاطور پر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ آزاد کشمیر میں اردو تحقیق و تنقید کی روایت کو مضبوط اور معتبر بنانے میں ان کا کردار اہم ہو گا۔

حوالہ جات

۱ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۱۴۵

۲ ممتاز شیریں، تعارف کشمیر اداس ہے، الفیصل پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۳

۳ قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۴۰۴

۴ انور سدید، ڈاکٹر، محمود ہاشمی کی ادبی شخصیت، مشمولہ مخزن لندن، ۲۰۰۵، ص ۱۵۱

۵ برج پریمی، ڈاکٹر بحوالہ آزاد کشمیر میں اردو کا نثری ادب، مؤلف ڈاکٹر افتخار مغل غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ص ۳۰۰

۶ محمود ہاشمی، خد وخال، مشمولہ سہ ماہی ابلاغ، پشاور (محمود ہاشمی نمبر)، مرتبہ سید حنا نسرین، سروش ر جلد ۸ ر شمارہ ۱۹۹۳، ۳ء، ص ۵

۷ ایضاً، ص ۳۶

۸ ایضاً، ص ۳۷۔۳۸

۹ ایضاً، ص ۴۴

۱۰ افتخار مغل، ڈاکٹر، آزاد کشمیر میں اردو کا نثری ادب، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، س۔ن، ص ۳۰۳

۱۱ ایضاً، ص ۳۱۸

۱۲ صابر آفاقی، ڈاکٹر، مرزا غالب کے فارسی قصائد، مشمولہ نقش ہائے رنگا رنگ (مرزا غالب کے فارسی قصائد کا اردو ترجمہ)، مترجم ڈاکٹر صابر آفاقی، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰

۱۳ ایضاً، ص ۱۱

۱۴ صابر آفاقی، ڈاکٹر، معین نجمی ــــــ شاعرِ زندگی، غیر مطبوعہ، ص ۴

۱۵ افتخار مغل، ڈاکٹر، آزاد کشمیر میں اردو کا نثری ادب، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، س۔ن، ص ۳۳۱

۱۶ ایضاً، ص ۳۰۹

۱۷ غلام حسین اظہر، ڈاکٹر، میاں محمد اور اقبال، مشمولہ میاں محمد بخش ــــــ ایک مطالعہ، مرتبہ جواد حسین جعفری، مطبوعہ کشمیر اکیڈیمی، مظفر آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۵۲

۱۸ غلام حسین اظہر، ڈاکٹر، دکھی انسانیت کے ضمیر دیباچہ پلک پلک زنجیر، شاعر نذیر انجم، کاشر پبلشرز، میرپور، ۱۹۹۲ء، ص۱۴۔۱۵

۱۹ غلام حسین اظہر، ڈاکٹر، اکرم طاہر کی غزل، مشمولہ پتن، علمی و ادبی مجلہ گورنمنٹ ڈگری کالج، بھمبر، ۲۰۰۵ء، ص۱۳۸

۲۰ اکرم طاہر، پروفیسر، مشتاق شاد کی غزل، مشمولہ سہ ماہی ابلاغ، پشاور، شمارہ اکتوبر، ۱۹۹۸ء، ص۸

۲۱ ایضاً، ص۸

۲۲ محمد اکرم طاہر، پروفیسر، سفیر محبت: فیض احمد فیض، مشمولہ میزان، گورنمنٹ کالج چکسواری، جلد:۱، شمارہ:۱، ۱۹۹۸ء، ص۲۰۔۲۱

۲۳ افتخار مغل، ڈاکٹر، نثری نظم حاصل مطالعہ، مشمولہ تسطیر، شمارہ:۹۔۱۰، جولائی۔اگست، ۱۹۹۹ء، ص۲۹۲۔۲۹۳

۲۴ افتخار مغل، ڈاکٹر، "فنون ۱۱۵"، مشمولہ سہ ماہی فنون، شمارہ :۱۱۷، اپریل۔اگست، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص۳۰۳

۲۵ محمود آزاد، سید، تاریخ کشمیر، سیادت پبلی کیشنز، اپر چھتر، مظفرآباد، ۱۹۹۰ء، ص۲۳

۲۶ محمد صغیر خان، ڈاکٹر، قرۃ العین حیدر اور کشمیر مشمولہ ماہنامہ نوازش لاہور، جلد ا شمارہ ۸، ۲۰۰۹ء، ص۱۰۸

۲۷ محمد صغیر خان، ڈاکٹر، پہاڑی زبان و ادب اور قدیم و جدید طرز احساس مشمولہ ششماہی سنگر مال شعبہ کشمیریات پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۴۹